نورین غوری

گلابی دنیا

"اسپورٹس چینل لگاؤ۔۔۔" حمزہ نے ٹی وی لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تو میں نے بھی اسی ٹون میں جواب دیا۔۔۔ "نہیں، مجھے یہ شو دیکھنا ہے۔"

"نہیں، مجھے میچ دیکھنا ہے۔ لگاؤ..... ورنہ میں ٹی وی توڑ دوں گا۔" حمزہ کی ہٹ دھرمی جاری تھی۔ مجھے پریشان کرنے کا کہاں کوئی موقع چھوڑتا تھا۔

"حمزہ! یہ کیا زبردستی ہے۔" میں نے زچ آکر کہا تو وہ مسکرایا۔ مجھے کمزور پڑتا دیکھ کر اور اپنی فتح کے جھنڈے لہرا کر اسے دلی سکون جو ملتا تھا تو پھر کبھی کبھی وہ میری بات مان بھی لیا کرتا تھا۔

عجیب سی طبیعت کا مالک تھا۔ میں نے بھی چینل نہیں بدلا تھا۔ شور دیکھ رہی تھی کہ بڑی امی کی آواز پر چونک گئی۔

"مرا! جاؤ میرے لیے چائے لے کر آؤ۔" بڑی امی کی بات پر کیسے انکار کرتی، میرا ڈانٹ کھانے کا بالکل بھی موڈ نہیں تھا۔ اس لیے خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی۔ اگر کچھ دیر رک کر شو مکمل ہونے کا انتظار کرتی تو نہ جانے کیا کیا سننے کو ملتا۔ میں وہاں سے غصے میں اٹھی اور اپنا غصہ جاتے جاتے ریموٹ پر نکالا۔ جب غصے سے میں نے وہ ریموٹ حمزہ کی طرف پھینکا تو حمزہ نے فوراً" ریموٹ سے چینل بدل کر اسپورٹس چینل لگا دیا۔

بڑی امی کے سامنے حمزہ میرے لیے اکثر نرم پڑ جاتا، پتا نہیں وہ بڑی امی سے ڈرتا تھا یا پھر اسے مجھ پر ترس آجاتا تھا۔ بڑی امی میری دل آزاری کا بھی کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں اب تو میں بڑی امی کے اس لہجے کی عادی ہو چکی تھی۔ بڑے ابو تو حمزہ سے بھی زیادہ پیار مجھ سے کرتے ہمیشہ رانی بیٹی کی طرح رکھا۔ ان کی وجہ سے ہی تو آج میں یونیورسٹی میں بزنس ڈپارٹمنٹ میں زیر تعلیم تھی۔

بڑی امی غصے میں کچھ بھی بول دیتیں۔ وقتی طور پر بہت دکھ ہوتا، خاص طور پر جب وہ مجھے امی ابا کے نہ ہونے کا ذمہ دار ٹھہراتیں۔ تو میں گھنٹوں خاموش رہتی اور دادی کی گود میں سر رکھ کر رو لیتی۔ تو دل کا بوجھ تھوڑا کم ہو جاتا۔ دادی کی گود میں سکون ہی اتنا ہوتا کہ سارے دکھ کہیں دور چلے جاتے۔

بڑے سے ہال میں ایک طرف لاؤنج تھا تو دوسری طرف کھانے کی میز، کارنر میں امریکن کچن میں آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ دادی کے کمرے کا دروازہ بھی ہال میں کھلتا تھا۔ اوپر والے پورشن کی سیڑھیاں ہال میں اترتی تھیں۔ سیڑھیوں کے ایک طرف دادی جی کا کمرہ تھا کیونکہ ان کو سیڑھیاں اترنے چڑھنے سے گھٹنوں میں درد ہو جاتا تھا اس لیے بڑے ابو نے ان کو نیچے ہال میں کمرہ دیا ہے باقی اوپر والے پورشن میں کمرے تھے۔

میں اپنے روم میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ کل فنانس کا ٹیسٹ تھا۔ جس کی تیاری میں مصروف، دنیا و جہاں کو بھول کر صرف اور صرف کتاب اور ذہن کے درمیان جنگ جاری رکھے ہوئے تھی۔ بڑی امی میرے کمرے میں آئیں، کچھ پل مجھے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔ "میں مارکیٹ جا رہی ہوں..... رات کا کھانا بنا دینا۔ پڑھائی کے ساتھ کام کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ اتنے سکھ تو ماں کے ہوتے ہوئے بھی نہ ملتے جتنے۔" وہ کہتے کہتے رک گئیں۔

میں نے خالی نظروں سے انہیں دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

انہوں نے دوبارہ وار کیا۔ "مہارانی کی طرح رہتی ہو....." بڑی امی کی آنکھوں میں میرے لیے حقارت تھی۔

میں آج تک یہ بات سمجھ نہ پائی تھی کہ انہیں مجھ پر اتنا غصہ کیوں آتا ہے۔ "جی ابھی بنا دوں گی۔" "بنا دوں گی مطلب..... ابھی اٹھو اور رکھو کتاب۔" میں نے ان کی بات پر کتاب بند کی تو وہ چلی گئیں۔ میں نے ایک بار پھر بند کتاب کو دیکھا پھر میں نے سوچا کہ رات میں بیٹھ کر پڑھ لوں گی۔

رات کے کھانے کی میز پر دادی نہیں تھیں۔ حمزہ نے کھانا شروع کرتے ہی دادی کا پوچھا تو بڑے ابا نے بتایا کہ ان کے گھٹنے میں درد ہے بڑے ابا نے میری طرف دیکھتے ہی کہا کہ دادی کا کھانا ان کے کمرے میں پہنچا دوں میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جب میں کھانا

لے کر دادی کے کمرے میں گئی تو وہ درد سے کراہ رہی تھیں۔ ان کے گھٹنے میں شدید درد ہو رہا تھا میں نے آیوڈیکس لگائی اور پھر سکائی کرنے لگی۔ دو سے تین گھنٹے کی مشقت کا نتیجہ یہ ہوا کہ دادی کو نیند آنے لگی۔ وہ مجھے دعائیں دیتی نہ جانے کب سو گئیں۔ میں آرام سے آہستہ سے دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آگئی۔

کتاب کھول کر دیکھا تو آنکھیں نیند سے بھری تھیں پھر بھی زبردستی پڑھنے کی کوشش کرنے لگی تو کتاب کے لفظ جھومنے لگے دل نے یہی کہا کہ حرا سو جاؤ صبح دیکھا جائے گا میں نے بھی بیڈ کی چادر درست کی اور لیٹتے ہی آنکھیں موند لیں۔

ناشتے کی ٹیبل کے پاس کھڑی میں بڑے ابا کے لیے چائے نکال رہی تھی جب بڑی امی زینے سے اترتے ہی مجھ سے مخاطب ہوئیں' وہ کہیں جانے کے لیے تیار تھیں۔ ہاں یاد آیا آج ان کے فلاحی ادارے کی خاص میٹنگ تھی۔ "حرا! حمزہ کی بلو شرٹ نہیں مل رہی ہے کل تو رانی نے دھوئی تھی۔" بڑی امی نے میرے علم میں اضافہ کرتے ہوئے کہا رانی ہمارے گھر میں جھاڑو' برتن اور کپڑے دھونے کا کام کرتی تھی جبکہ باقی تمام کام میری ذمہ داری شمار ہو جاتے۔

میں نے سعادت مند اور فرمانبردار بیٹی کی طرح کہا "جی بڑی امی' وہ میں نے تہ کر کے حمزہ کے کمرے میں رکھی تھی۔"

"جاؤ اب اسے ڈھونڈ کر دو۔" بڑی امی کے حکم کی تکمیل کرنے میں حمزہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

حمزہ نے الماری کے سارے کپڑے زمین پر ڈھیر کیے ہوئے تھے۔ میں نے زمین پر ڈھیر ہوئے کپڑوں کو دیکھا اور پھر حمزہ پر نظر ڈالی اور حمزہ سے کہا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟ ایک شرٹ نہیں ڈھونڈ سکتے؟ دھیان سے کام کرو تو پتا چلے تمہیں۔" میں بلو شرٹ مسلسل ڈھونڈ رہی تھی اور ساتھ ساتھ بول رہی تھی۔

"جلدی ڈھونڈو۔ لیکچر بعد میں بھی دے سکتی ہو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" شیشے کے سامنے بال بناتے ہوئے حمزہ نے شیشے میں سے ہی مجھ پر نظر ڈالی۔

وہ میری باتوں سے بے زار ہو رہا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ اسے میرا بولنا برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ اسے برداشت کرنا آتا ہی کہاں تھا۔ اتنے میں' میں نے شرٹ کپڑوں کے ڈھیر سے کھینچ کر نکالی۔

"یہ لو۔۔۔" میں نے شرٹ حمزہ کے سامنے لہرائی۔

اس نے غور سے دیکھا اور میرے ہاتھ سے لیے بغیر استری کرنے کو کہا کیوں کہ وہ خوب صورت شرٹ سلوٹوں سے مزین ہو چکی تھی۔ ایک پل کے لیے مجھے غصہ تو آیا غصے میں ہی استری اسٹینڈ پر شرٹ کو پھینکنے کے انداز میں رکھا اور استری کرنے لگی۔ پھر میں نے دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا۔ جو ساڑھے آٹھ بجا رہی تھی۔

"جلدی کرو۔" حمزہ کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی تو دل چاہا ادھر ہی چھوڑ دوں۔

"نوکر نہیں ہوں میں' اور بھی کام ہیں مجھے۔" پھر زبان کھولنے کے بعد یاد آیا کہ یہ تو بڑی امی کا حکم تھا۔ ان کی گستاخی تو وبال جان ہو سکتی ہے۔ میں نے استری کی ہوئی شرٹ حمزہ کی طرف پھینکی جو سارے کام کاج چھوڑے اسی کے انتظار میں میری طرف چہرہ کیے ہوئے تھا اور شرٹ کو پہننے کے انتظار میں کھڑا تھا۔

شرٹ پہن کر بٹن بند کرنے لگا تو پہلے سے دوسرا بٹن غائب تھا' میں کمرے سے باہر آنے کو ہی تھی کہ حمزہ کی آواز پر مڑی۔

"حرا۔۔۔" میں نے دل میں سوچا۔ "خدایا! اب کیا مصیبت ہے۔" پہلے سے دوسرا بٹن غائب تھا۔ حمزہ نے اس بٹن پر ہاتھ رکھے میری طرف دیکھا تو میں حمزہ کی سوالیہ نظروں کو سمجھ نہ پائی۔

"اب کیا ہوا؟" میں نے بے زاری سے پوچھا۔

"تم نے استری کرتے وقت دیکھا نہیں تھا۔" حمزہ بولتے ہوئے ـــــ بٹن بند کر رہا تھا اس بات کی وجہ اب تک نہ جان پائی تھی۔ اس لیے غصے میں بول

اٹھی۔

"استری ہو گئی نا، یہی بہت بڑی بات ہے۔"

"اچھا جی۔۔۔ اس بڑی بات کے ساتھ بٹن لگانے جیسی چھوٹی بات بھی کر دو۔" حمزہ نے اسی ٹون میں جواب دیا۔

میں واپس کمرے میں آئی۔ پیر پٹختے ہوئے ٹیبل کے پاس پہنچی دراز سے سوئی دھاگا نکال کر اس کی طرف بڑھی میری بے زاری میرے چہرے سے ظاہر تھی جب کہ حمزہ مسکرا رہا تھا۔ جیسے وہ لطف اٹھا رہا ہو۔ اس کی مسکراہٹ میرے چہرے پر غصے کے بل نمایاں کر گئی۔ میں نے بٹن شرٹ پر رکھا اور لگانا شروع کیا۔ میرے ماتھے کے بل حمزہ کو صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اس لیے اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی، میں نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ بات بنانے لگا۔

"غصے میں کہیں میری اسکن بھی اس کے ساتھ سلائی نہ کر دینا۔" حمزہ کی اس بات پر بھی میرا وہی انداز تھا جیسے سنا ہی نہ ہو۔

دل تو چاہا یہ سوئی اس کے سینے میں اتار دوں۔ میں نے سوئی کو غور سے دیکھا، پھر اسے پتا چلے گا کہ تنگ کرنا کیا ہوتا ہے۔ حمزہ مسلسل میرے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور میں پورے دھیان سے بٹن ٹانک رہی تھی۔ دھاگا کاٹنے کے لیے میں نے قینچی کے لیے دیکھا تو حمزہ کی طرف دیکھ کر ہی تھوڑا جھینپ گئی تو اس نے نظریں مجھ پر سے ہٹالیں۔

"قینچی کہاں ہے؟"

"مجھے کیا پتا۔" حمزہ نے اس جملے کو اتنا چبا کر کہا جیسے واقعی نہیں جانتا تھا۔

میں نے دانت سے کاٹنے کی کوشش کی تو میرا چہرہ حمزہ کے سینے پر تھا، جہاں میں اس کے دھڑکتے دل کی آواز سن سکتی تھی۔ اتنے قریب سے کچھ عجیب سا احساس ہوا جیسے بجلی کے ننگے تاروں کا کرنٹ لگا ہو۔ میرے دل کی دھڑکنوں میں ہلچل سی مچ گئی۔ میرے اندر کی ہلچل میرے ہاتھ سے ظاہر ہو رہی تھی، میں نے جلدی سے دھاگا شرٹ سے چھڑایا اور دراز میں رکھ کر حمزہ کو دیکھے بنا کمرے سے باہر آ گئی۔

"مجھے کیا ہو رہا ہے۔" میں نیچے کچن میں گئی۔ کھانے کی ٹیبل پر پانی کا جگ ـــــ بھرا ہوا تھا، میں نے پانی گلاس میں بھرا اور پھر ایک سانس میں پی لیا۔ پھر اپنا بیگ اٹھایا اور گیٹ کی طرف بڑھی اس سے پہلے کہ حمزہ سامنے آئے اور اس کی آنکھوں میں میرے لیے مذاق ہو مجھے چلنا چاہیے۔ میری حالت اس پر واضح تو ہوئی ہو گی وہ پتھر تو نہ تھا۔ زیادہ نہ سہی ہلکا سا جھٹکا اسے بھی محسوس ہوا ہو گا۔

گیٹ کے باہر حمزہ بائیک پر سوار تھا۔ وہ اپنی بائیک کو ریس دے رہا تھا، میں نے نظر چرا کر اسے دیکھا تو وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ میں اسے نظر انداز کر کے چلنے لگی تو اپنی بائیک لے کر میرے سامنے آ گیا۔ میری طرف دیکھے بغیر ہی بولا جس سے صاف ظاہر تھا کچھ تو احساس حمزہ کو بھی ہوا تھا کہنے لگا۔ "میری وجہ سے لیٹ ہوئی ہو نا۔۔۔ چلو میں چھوڑ دوں۔"

"اتنی مہربانی کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تمہاری مدد نہیں چاہیے۔ میں چلی جاؤں گی۔" میرا لہجہ برف میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں اس کے قریب نہیں آنا چاہ رہی تھی۔ حمزہ کا لہجہ بھی کچھ مختلف نہ تھا۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔۔۔ مرو۔" حمزہ اپنی بائیک تیزی سے لے کر چلا گیا۔ یونیورسٹی سے گھر پھر گھر کے کام، ان کے ساتھ حمزہ کی نوک جھونک میں وقت ایسے گزر گیا جیسے اسے پر لگ گئے ہوں۔

☆ ☆ ☆

میرے امتحانات اگلے مہینے تھے۔ میں چاہ رہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت پڑھائی میں گزرے۔ میں کتاب کے صفحے کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہی تھی، یہ اکاؤنٹنگ اتنی مشکل کیوں ہے؟ کیا کروں؟ کس سے مدد لوں؟ میں نے کتاب اور نوٹ بک اٹھائی اور سیدھی حمزہ کے کمرے میں پہنچ گئی۔ وہ تو دنیا سے بے خبر سو رہا تھا۔

"حمزہ اٹھو۔۔۔" حمزہ میری آواز پر کہاں اٹھنے والا تھا،